نفسِ مطمئنّہ

سیّد قطب

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم – بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰہُ رَبُّہٗ فَاَکْرَمَہٗ وَنَعَّمَہٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ ، وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰہُ فَقَدَرَ عَلَیْہِ رِزْقَہٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَھَانَنِ (الفجر ۸۹: ۱۵-۱۶)

انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب اسے عزت و نعمت دے کر آزماتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اعزاز و اکرام کیا! اور جب اسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری بے عزتی کی!

اللہ تعالیٰ جب انسان کو مختلف حالات --- رزق کی کشادگی و تنگی اور دولت و غربت وغیرہ --- سے آزماتا ہے تو اس کے تصورات عام طور پر اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اسے نعمتیں بخشتا ہے اور دولت و منصب عطا کر کے اسے عزت دیتا ہے، تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ دولت و عزت کے ذریعہ اس کی آزمایش ہو رہی ہے، اور اس کے نتیجے میں اسے جزا یا سزا ملنے والی ہے! وہ اپنی دولت اور اپنے باعزت مقام کو اس بات کی دلیل خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کے نزدیک اعزاز و اکرام کا مستحق ہے۔ یہ نادان آزمایش کو جزا اور امتحان کو نتیجہ خیال کرتا ہے، وہ دنیا کے سازوسامان کو خدا کے اعزاز و اکرام کا ثبوت سمجھتا ہے --- اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے، تو وہ اس آزمایش کو سزا اور اس امتحان کو عذاب سمجھتا ہے۔ وہ رزق کی تنگی سے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی نظر میں ذلیل و خوار ہے۔ اگر خدا کو اسے ذلیل و خوار نہ کرنا ہوتا تو وہ اسے رزق کی تنگی میں مبتلا نہ کرتا۔

انسان دونوں حالتوں میں غلطی پر ہے۔ تصور میں بھی غلطی، اندازے اور پیمانے میں بھی غلطی۔ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ کی طرف سے اس کے بندے کی آزمایش ہے، تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ نعمتیں پا کر خدا کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا کبر و غرور میں مبتلا ہو کر آپے سے باہر ہوتا ہے، پریشانی اور تکلیف میں صبر

کرتا ہے یا بے صبری و بے قراری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسی کچھ اس کی روش ہوگی، اسی کے مطابق اسے بعد میں بدلہ ملے گا۔

کسی شخص کو دنیا کا سازوسامان بخشا گیا یا وہ محروم رکھا گیا، یہ جزاو سزا نہیں ہے۔ خدا کے یہاں انسان کی قدر و قیمت کیا ہے، اس کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ اس کے پاس دنیوی سروسامان کس قدر ہے۔ نہ دنیا میں خدا کے دینے یا نہ دینے سے یہ استدلال کرنا چاہیے کہ وہ بندے سے خوش یا ناخوش ہے۔ خدا نیک اور بد، دونوں کو بخشتا ہے، خدا نیک و بد، دونوں کو محروم کرتا ہے۔ دنیا میں اس کی بخشش اور عدم بخشش قابل لحاظ نہیں ہے۔ وہ دیتا ہے تاکہ دے کر آزمائے، وہ محروم رکھتا ہے تاکہ محروم رکھ کر آزمائے۔ اصل چیز جو قابل اعتماد ہے، وہ اس آزمایش کا رزلٹ ہے۔

انسان کا دل ایمان سے خالی ہوتا ہے تو وہ خدا کے دینے اور نہ دینے کی حکمت سمجھ نہیں پاتا۔ نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی میزان میں کن چیزوں کی قدر و قیمت ہے اور اس کے پیمانے کیا ہیں۔ لیکن جب اس کا دل ایمان سے معمور ہوتا ہے تو اس کا ربط خدا سے ہو جاتا ہے، اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے یہاں کیا کچھ ہے۔ اس کی میزان میں دنیا کے حقیر سازوسامان بے وزن ہو جاتے ہیں، آزمایش کے بعد جو جزا ملنے والی ہے، وہ اس کے لیے بیدار و مستعد ہو جاتا ہے۔ رزق کی کشادگی اور تنگی، دونوں حالتوں میں اس جزا کے لیے جدوجہد کرتا ہے، اور دونوں حالتوں میں خدا کی قضا و قدر پر مطمئن رہتا ہے اور دنیا کی ظاہری اور کھوکھلی قدر و قیمت کی حامل اشیا کے بغیر خدا کی میزان میں اپنی قدر و قیمت کو جان لیتا ہے۔

قرآن مکہ میں ایسے لوگوں کو خطاب کر رہا تھا--- اور ایسے لوگ جاہلیت کے ہر دور اور ہر سماج میں پائے جاتے ہیں جن کا ربط زمین سے بلند تر اور وسیع تر کسی عالم سے نہیں ہوتا--- جو روزی کی فراخی اور تنگی کے معاملے میں اپنے رب کے سلسلے میں اسی طرح کا خیال رکھتے تھے۔ لوگوں کی قدر و قیمت کو جانچنے کے لیے ان کے پاس یہی پیمانے تھے۔ دولت اور جاہ و منصب ہی ان کے نزدیک سب کچھ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دولت سے شدید محبت رکھتے تھے۔ اور دولت سے اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ حرص و طمع اور بخل کی گھناؤنی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ قرآن اس معاملے میں ان کی قلبی کیفیات سے پردہ اٹھاتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ رزق کی فراخی و تنگی کے سلسلے میں خدا کی آزمایش و ابتلا کو نہ سمجھنے کی اصل وجہ یہی حرص، طمع اور بخل کی بیماریاں ہیں۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ، وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ، وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا .

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۱۷-۲۰)

ہرگز نہیں! تم یتیم کی توقیر نہیں کرتے! غریبوں کو کھلانے پلانے کی، ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے! میراث کو سمیٹ کر ہڑپ کر جاتے ہو! اور دولت کی محبت میں متوالے ہو رہے ہو!

اصل بات یہ ہے کہ تم خدا کی بخشش اور اس کی دی ہوئی دولت کا حق ادا نہیں کرتے۔ تم یتیم کی --- جو بچہ ہے اور باپ کے فوت ہونے کے بعد محافظ و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے --- توقیر نہیں کرتے۔ تم غریبوں کو --- جو تمھارے درمیان موجود ہیں اور ضرورت مند ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتے --- کھلانے پلانے پر ایک دوسرے کو آمادہ نہیں کرتے۔ قرآن، غریبوں کو کھلانے پلانے کے سلسلے میں ایک دوسرے کو نہ ابھارنے اور تاکید نہ کرنے کو انتہائی قبیح فعل اور شدید برائی قرار دیتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فرائض و واجبات اور عمومی خیر کے کاموں کے سلسلے میں ایک دوسرے کو متوجہ کرنا اور ان کی کفالت کرنا سماج کی مشترک ذمہ داری ہے۔ اور یہ اسلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

تم آزمایش کی حقیقت سے ناواقف ہو، آزمایش میں کامیابی کا حصول تمھارے پیش نظر نہیں ہے۔ کامیابی کا راستہ یہ تھا کہ یتیم کی توقیر کرتے اور غریبوں کے کھلانے پلانے کی، ایک دوسرے کو تاکید کرتے۔ لیکن تم اس کے برعکس بدترین لالچ میں مبتلا ہو۔ تم ترکے کا سارا مال ہڑپ کر جاتے ہو۔ تمھیں دولت سے بے پناہ محبت ہے۔ اور تمھارے دلوں میں محتاجوں کو کھلانے پلانے اور ان کی توقیر کرنے کا کوئی داعیہ نہیں رہ گیا ہے!

مکہ میں دولت جمع کرنے کی شدید حرص سے اسلام کو سابقہ درپیش تھا --- اس چیز نے ان کے دلوں کو انتہائی سخت اور بے رحم بنا دیا تھا۔ وہ یتیموں کی، خصوصاً یتیم لڑکیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی دولت کو مختلف طریقوں سے ہڑپ کر لیتے۔ میراث کے سلسلے میں ان کی لوٹ کھسوٹ بہت زیادہ تھی۔ سودی کاروبار کے ذریعہ دولت سمیٹنے کا عمل مکی سماج میں کھلم کھلا جاری تھا --- یہ برائیاں ہر دور اور ہر مقام کے جاہلی سماج کی خصوصیت رہتی ہیں، آج بھی صورتِ حال یہی ہے۔

ان آیات میں ان کی قلبی کیفیات کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ان کیفیات و اعمال کی شدید مذمت اور ان پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ یہ بات لفظ کَلَّا --- ہرگز نہیں --- کی [ان آیات کے شروع اور آخر میں] تکرار سے بھی واضح ہوتی ہے، اور اندازِ بیان اور آیات کے آہنگ سے بھی۔ آیات کی آواز میں جو شدت ہے، اس سے ان کی حرص کی شدت کی تصویر کشی ہوتی ہے: وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ، وتحبون المال حبا جما

اس تصویر کشی اور ان کے بد ترین اعمال کی شدید مذمت و تنقید کے بعد قرآن انھیں ایک خوفناک دھمکی دیتا ہے۔ اور 'یہ بات ایک ایسے آہنگ میں کہی گئی ہے جو قوی بھی ہے اور شدید بھی۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ، وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ، وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ (۲۱-۲۳)

ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی 'اور تمھارا رب صف بہ صف فرشتوں کے جلو میں نمودار ہو گا' اور جہنم اس دن لاحاضر کی جائے گی۔

دُكَّتِ الْاَرْضُ کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو توڑ پھوڑ کر اس کے نشیب و فراز کو برابر کر دیا جائے گا۔ قیامت کے روز جو کائناتی انقلابات ہوں گے ان میں ایک انقلاب یہ بھی ہو گا۔ "تمھارا رب اور فرشتے صف بہ صف آئیں گے"۔ یہ امورِ غیب میں سے ہے جس کی حقیقت کو ہم اس زمین میں رہتے ہوئے نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ اس طرز بیان سے عظمت و جلال اور ہیبت و ہولناکی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح جہنم کے لائے جانے کا معاملہ ہے۔ ہم اس سے اتنی بات سمجھتے ہیں کہ جہنم عذاب پانے والوں سے قریب ہو گی اور عذاب پانے والے اس سے قریب۔ بس اتنی بات کافی ہے۔ رہی اس کی اصل حقیقت و کیفیت تو یہ بھی غیبی امور میں سے ہے جو اس دن تک مخفی رہیں گے جس کا علم خدا کو ہے۔

ان آیات اور ان کے تیز و تند آہنگ سے ایک ایسا منظر سامنے آتا ہے جس سے دل کانپ اٹھتے ہیں اور نظریں دہشت کے مارے جھک جاتی ہیں: زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی! صاحب جبروت اور صاحب کبریائی و عظمت خدا تختِ عدالت پر جلوہ افروز ہو گا! وہی سارے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا! فرشتے صف بہ صف اس کے حضور ایستادہ ہوں گے! اور جہنم قریب لائی جائے گی' جو مجرمین کی تعذیب کے لیے بالکل تیار ہو گی!

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ (۲۳) 'اس دن انسان کو سمجھ آئے گی۔

اس انسان کو جو خدا کی بخشش اور عدم بخشش کے سلسلے میں اس کی آزمایش کی حکمت سے غافل تھا' جس نے میراث کا مال سمیٹ کر ہڑپ کر لیا تھا' جو دولت کی محبت میں گرفتار تھا' جس نے یتیم کی عزت و خاطر داری نہیں کی تھی' جس نے غریب کے کھلانے پلانے پر لوگوں کو ابھارا نہیں تھا' اور جس نے ظلم و سرکشی کرنے' فساد پھیلانے اور حق سے منہ موڑنے کی روش اختیار کی تھی۔ ہاں' اس انسان کو سمجھ آجائے گی' وہ حق کو جان لے گا' اور جو کچھ دیکھے گا اس سے نصیحت حاصل کرے گا۔ لیکن اب

وقت گزر چکا۔

وانّی لہُ الذّکرٰی (۲۳) مگر اب سمجھ میں آنے کا کیا حاصل۔

نصیحت حاصل کرنے کا وقت گزر چکا: دار جزا میں نصیحت حاصل کرنے سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ہاں، وہ اس بات پر ضرور حسرت کرے گا کہ دنیا کے دار العمل میں اسے جو فرصت تھی وہ اس نے کھو دی۔ اور بس! جب اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی تو

یقُوْلُ یلیتنی قدّمتُ لحیاتی (۲۴) وہ کہے گا: اے کاش، میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ کر کے آگے بھیجا ہوتا۔

آخرت کی زندگی ہی وہ حقیقی زندگی ہے جس کے لیے "حیات" کا لفظ موزوں اور زیبا ہے۔ اور یہی اس قابل ہے کہ انسان اس کے لیے تیاری کرے اور اس کے لیے پیشگی جدوجہد اور عمل کا ذخیرہ کرے۔ یٰلیتنی، اے کاش! ایک تمنا ہے جس میں حسرت کا پہلو واضح و نمایاں ہے۔ اور یہی وہ زیادہ سے زیادہ شے ہے جو آخرت میں انسان کے بس میں ہوگی۔

اس دردناک حسرت اور اس بے فائدہ تمنا کے بعد، قرآن ان کے انجام کی اس طرح تصویر کشی کرتا ہے:

فیومئذٍ لّا یعذّبُ عذابہٗ احدٌ، وّلا یوثقُ وثاقہٗ احدٌ، (۲۵-۲۶) اس دن اللہ جو عذاب دے گا ویسا عذاب کوئی نہیں دے سکتا، اور جس طرح وہ (مجرمین کو) جکڑے گا ویسا کوئی نہیں جکڑ سکتا۔

وہ اللہ ہے، قہار و جبار! وہ مجرمین کو ایسا انوکھا اور منفرد عذاب دے گا جس طرح کا عذاب دینا کسی کے بس میں نہیں ہے، اور سرکشوں کو اس طرح جکڑ بند کرے گا کہ اس جیسا جکڑ بند کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سرکشوں کو کیا اور کیسا عذاب دے گا، اور مجرموں کو کس طرح قید کرے گا اور باندھے اور جکڑے گا، اس کی تفصیل قرآن مجید میں قیامت کے بہت سے متنوع مناظر میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔ یہاں قرآن مجید صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ خدا کا عذاب منفرد قسم کا ہو گا، جس کی کوئی نظیر انسانی تعذیب میں نہیں ہے۔ وہ مجرموں کو جس طرح جکڑے اور باندھے گا، اس کی بھی کوئی مثال انسانی قید و بند میں نہیں ہے۔ خدا کا عذاب اور اس کی قید و بند تمام مخلوقات کے عذاب اور ان کی قید و بند سے زیادہ شدید ہے۔

یہاں مجرموں کی قید و بند اور ان کی تعذیب کا ذکر عاد و ثمود اور فرعون کے ظلم ' سرکشی اور زمین میں ان کے فساد پھیلانے کے مقابلے میں ہے - اس ظلم و فساد کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ لوگوں کو سخت سزائیں دیتے اور انھیں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑتے تھے - تو اے نبی ' اور اے مرد مومن ' تمھارا رب ان تمام لوگوں کو پابند سلاسل کرے گا اور عذاب دے گا جو لوگوں کو قید و بند میں مبتلا کرتے اور عذاب دیتے ہیں - لیکن کہاں یہ قید و بند اور کہاں وہ قید و بند! کہاں یہ عذاب اور کہاں وہ عذاب! مخلوق قید و بند اور تعذیب کے سلسلے میں جو کچھ کر سکتی ہے وہ بہت ہلکا ہے ' کائنات کا خالق و فرماں روا قید و بند اور تعذیب کے سلسلے میں جو کچھ کر سکتا ہے وہ بہت ہولناک ہے - جو افراد انسانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں ' ان کی قید و بند اور ان کی تعذیب کے سلسلے میں وہ سب کچھ ہو گا جو ہونا چاہیے - ہاں! ہاں! ان کو اس طرح جکڑا اور باندھا جائے گا اور ان کو ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا کہ انسانی خیال و گمان کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی -

اس ہیبت ناک ' پُرہول منظر اور قید و بند اور عذاب کے --- جو ہر گمان اور ہر تصور سے بڑھ کر ہو گا --- درمیان ملاء اعلیٰ سے مرد مومن کو ندا آتی ہے :

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ، ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (۲۷-۳۰)

اے مطمئن جان ' اپنے رب کے پاس لوٹ آ : تو اس سے راضی ' وہ تجھ سے راضی - آ ' میرے بندوں میں شامل ہو جا ' میری جنت میں داخل ہو جا -

یایتھا کس قدر شفقت اور قرب ہے! یایتھا النفس ' اے جان کس قدر روحانیت اور اعزاز و اکرام ہے! یایتھا النفس المطمئنۃ ' اے مطمئن جان کس قدر تعریف اور سکون بخشی ہے!

ارجعی الی ربک ' اپنے رب کی طرف لوٹ آ ' قید و بند کی اس فضا کے بیچ کس قدر آزادی و نرمی ہے! ہاں ' زمین سے اپنے سفر اور اپنے گہوارے سے اپنی جدائی کے بعد ' اس ہستی کی طرف لوٹ آ - جہاں سے تیری زندگی کا آغاز ہوا تھا -

راضیۃ مرضیۃ ' تو اس سے خوش ' وہ تجھ سے خوش - لوٹ آ اپنے رب کے پاس ' اس تعلق ' معرفت اور نسبت کے ساتھ جو تیرے اور تیرے خدا کے مابین ہے -

فادخلی فی عبدی ' آ ' میرے بندوں میں شامل ہو جا - یعنی میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا

تاکہ قربِ الٰہی حاصل ہو۔کتنی خنکی و شیرینی ہے جو پوری فضا کو محبت اور رضا و خوشنودی سے بھر دیتی ہے۔

وادخلی جنتی ' اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ میری آغوش رحمت میں آجا۔

اس محبت و شفقت میں ' جو ان آیات میں ہے ' جنت کی ہوائیں آغاز ہی سے چل رہی ہیں: یاایتھا النفس المطمئنۃ ' اے مطمئن جان ' کی ندا سے آغاز ہوتا ہے۔مطمئن جان ' وہ جان جو اپنے رب سے مطمئن ہے ' جو اس کے راستے سے مطمئن ہے ' جو اللہ کی قضا و قدر سے جو اس کے سلسلے میں ہے مطمئن ہے ' جو راحت و مصیبت ' رزق کی فراخی و تنگی ' خدا کے دینے اور نہ دینے ' ہر حال میں مطمئن ہے۔ مطمئن ہے ' اس لیے شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتی۔مطمئن ہے ' اس لیے راہ راست سے منحرف نہیں ہوتی۔مطمئن ہے ' اس لیے راستے میں ٹھٹھک کر کھڑی نہیں ہوتی۔مطمئن ہے ' تو قیامت کے ہولناک اور پُر خوف دن میں ہراساں اور خائف نہیں ہوتی۔

یہ آغاز ہے ' یہ ندا ہے --اس کے بعد جو آیات آتی ہیں ان سے ساری فضا امن ' رضا و خوشنودی اور طمانیت سے بھر جاتی ہے۔ساتھ ہی آیات کا خنک اور نرم رو ترنم محبت ' قرب اور سکینت کی لہریں بکھیرتا ہے۔

ہاں یہ جنت ہے! یہ اپنے خنک اور خوشگوار انفاس کے ساتھ ان آیات کے بیچ سے جھلکتی ہے ' اور خدائے رحمٰن کی بزرگ اور حسین و جمیل تجلیات اس پر اپنے انوار بکھیر رہی ہیں۔

(فی ظلال القرآن ' ترجمہ: سید حامد علی ' تدوین: خرم مراد)

پروفیسر غفور احمد کی تازہ کتاب

"وزیر اعظم بے نظیر بھٹو

نامزدگی سے برطرفی تک"

قریبی بک سٹال: القمر انٹرپرائزز

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:- 7237500